QUARTERLY, PEER REVIEWED
al-amir
ISSN(P): 2790-931X ISSN(E): 2790-9328
E-Mail: editor.alamir@gmail.com

معاشرتی اخلاقیات، اصلاح وتربیت: سیرتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں ایک تحقیقی وتجزیاتی مطالعہ

Moral Values, Social Reform, and Character Building in the Light of the Prophetic Seerah

Dr. Tahira Firdous
Assistant Professor, Department of Islamic Studies, University of Balochistan Quetta. Email: drtahirairfan@gmail.com

Human beings are inherently social by nature, and the formation of society is rooted in mutual interaction, cooperation, and shared moral values. While social coexistence fulfills material and emotional needs, the true stability and harmony of any society depend primarily on the moral character of its individuals. Moral values shape human behavior, regulate social relationships, and determine whether society becomes a source of peace and welfare or conflict and disorder.

In this context, the Seerah of the Prophet Muhammad ﷺ presents a comprehensive and timeless framework for moral reform, social correction, and ethical training. The Prophet ﷺ not only preached moral values but practically demonstrated them in every sphere of life, transforming a morally fragmented society into an exemplary civilization based on justice, mercy, tolerance, and mutual respect.

This study aims to explore the concept of morality (akhlaq), its philosophical and Islamic foundations, and its role in shaping individual and collective behavior. Special emphasis is placed on the Prophetic model of moral education and reform, highlighting how noble character contributes to social harmony, ethical balance, and sustainable societal development. The research argues that the revival of Prophetic ethics is indispensable for addressing contemporary moral crises and for building a peaceful, balanced, and morally conscious society.

Keywords: Prophetic Seerah, Social Ethics, Moral Reform, Character Building, Islamic Society

تمہید

انسان فطرتاً معاشرتی مخلوق ہے، اور اس کی زندگی کا بڑا حصہ اجتماعی تعلقات، باہمی روابط اور سماجی وابستگیوں کے گرد گھومتا ہے۔ انسانی معاشرہ محض افراد کے اجتماع کا نام نہیں، بلکہ یہ باہمی تعاون، اخوت، ہمدردی اور اخلاقی اقدار کے ایک منظم نظام سے وجود میں آتا ہے۔ اگرچہ مادی ضروریات اور سماجی مفادات معاشرتی زندگی کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتے ہیں، تاہم کسی بھی معاشرے کی اصل روح اس کے اخلاقی معیار اور کردار کی بلندی میں مضمر ہوتی ہے۔

اخلاق انسان کی باطنی شخصیت کا آئینہ دار ہوتے ہیں، جو اس کے طرزِ عمل، سماجی رویّوں اور اجتماعی کردار کو متعین کرتے ہیں۔ ایک ایسا معاشرہ جس کے افراد اعلیٰ اخلاقی اوصاف سے متصف ہوں، امن، عدل اور رحمت کا گہوارہ بن جاتا ہے، جبکہ اخلاقی انحطاط سماجی انتشار، بے اعتدالی اور باہمی تصادم کو جنم دیتا ہے۔

اسلام نے اخلاق کو محض انفرادی فضیلت نہیں بلکہ اجتماعی اصلاح اور تربیت کا بنیادی ستون قرار دیا ہے۔ بالخصوص سیرتِ نبوی ﷺ اخلاقی تعلیم، معاشرتی اصلاح اور انسانی تربیت کا وہ جامع نمونہ پیش کرتی ہے جس کی مثال انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔ رسول اکرم ﷺ نے جاہلی معاشرے کو اخلاقِ حسنہ کے ذریعے ایک مثالی انسانی معاشرے میں تبدیل کر دیا، جہاں عدل، دیانت، عفو، رواداری اور حسنِ سلوک بنیادی اقدار بن گئیں۔

زیرِ نظر مقالہ سیرتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں معاشرتی اخلاقیات، اصلاح اور تربیت کے اصولوں کا تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ پیش کرتا ہے، تاکہ موجودہ اخلاقی بحران کے تناظر میں نبوی اسوہ کی معنویت اور افادیت کو واضح کیا جا سکے۔

اخلاق کا معنی و مفہوم:

اخلاق خلق کی جمع ہے، اور خلق کا لفظ خلقت سے نکلا ہے، جس کے معنی ہیں پیدائش ،فطری بناوٹ یا جو چیز کسی انسان میں پیدائشی اور قدرتی ہو ۔ مشہور ماہر لغت ابن منظور ،لسان العرب میں رقمطراز ہیں :

"الخُلُقُ، بِضَمِّ اللاَّمِ وَسُكُونِهَا :وَهُوَ الدِّين والطبْع وَالسَّجِيَّةُ، وَحَقِيقَتُهُ أَنه لِصورة الإِنسان الْبَاطِنَةِ وَهِيَ نفْسه وأَوصافها وَمَعَانِيهَا المختصةُ بِها بِمَنْزِلَةِ الخَلْق لِصُورَتِهِ الظَّاهِرَةِ وأَوصافها وَمَعَانِيهَا۔[1]

خلق (لام کے پیش اور سکون کے ساتھ) کا معنی فطرت اور طبیعت ہے ،انسان کی باطنی صورت کو مع اس کے اوصاف اور نفوس معانی کے خلق کہتے ہیں ،جس طرح ان کی ظاہری شکل و صورت کو خلق کہا جاتا ہے۔

اصطلاح علوم میں خلق ایسے ملکہ کو کہتے ہیں ،جس کی بدولت افعال نفس انسانی سے فطری طور اور بغیر کسی شعور یا ارادے کے بسہولت صادر ہوں ، اور جن کے لئے کسی قسم کے تصنع کی ضرورت نہ ہو۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں :

"الخلق عبارة عن هَيْئَةٌ فِي النَّفْسِ رَاسِخَةٌ عَنْهَا تُصْدِرُ الْأَفْعَالَ بِسُهُولَةٍ وَيُسْرِ مِنْ غَيْرِ حَاجَةٍ إِلَى فِكْرٍ وَرَوِيَّةٍ"۔[2]

خلق نفس کی اس راسخ کیفیت کا نام جس کے باعث اعمال بڑی سہولت اورآسانی سے صادر ہوتے ہیں ،ان کے کرنے کے لئے سوچ بچار کے تکلف کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔

خلاصہ کلام یہ کہ اخلاق انسان کے مجموعہ اعمال کا نام بھی ہے،اور مجموعی رویہ کا بھی ۔خلق یا اخلاق کا اطلاق ان ہی عادات و اعمال پر ہو گا جو پختہ ہوں ،اور جن کا صدور بلا تکلف ہو۔ پھر اخلاق عظیمہ سے

مراد وہ غیر معمولی فطری افعال ہیں جنہیں حق تعالیٰ نے امتیازی شان اور عظمت کے ساتھ مکمل اور جامع طور پر کسی خاص شخصیت میں پیدا فرمایا ہو تاکہ دوسروں کے لئے نمونہ بنیں۔

انسانی شخصیت کا انحصار اس کی ظاہری شکل و صورت کے علاوہ اس کے اخلاق و عادات پر بھی ہے،بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اخلاق و عادات ہی انسان ہے،اور ان ہی سے اس کی شخصیت کا ظہور ہوتا ہے۔

حسن اخلاق کامفہوم اور اس کا حصول:

اخلاق دو قسم کے ہیں ،اچھے اخلاق ،جسے اخلاق حسنہ اور فضائل کہاجاتا ہےاور برے اخلاق جنہیں اخلاق قبیحہ و رذائل کہتے ہیں ۔ان کی تعریف امام غزالیؒ نے یوں کی ہے :

"فَإِنْ كَانَتِ الْهَيْئَةُ بِحَيْثُ تَصْدُرُ عَنْهَا الْأَفْعَالُ الْجَمِيلَةُ الْمَحْمُودَةُ عَقْلًا وَشَرْعًا سُمِّيَتْ تِلْكَ الْهَيْئَةُ خُلُقًا حَسَنًا وَإِنْ كَانَ الصَّادِرُ عَنْهَا الْأَفْعَالَ الْقَبِيحَةَ سُمِّيَتِ الْهَيْئَةُ الَّتِي هِيَ الْمَصْدَرُ خُلُقًا سَيِّئًا[3]"

کہ انسانی نفس کی ہیئت راسخہ سے نکلنے و صادر ہونے والے افعال اگر شرع اور عقل کی رو سے اچھے سمجھے جاتے ہیں ،تو یہ اخلاق حسنہ ہیں، اور اگر یہ افعال عقل و شرع کے لحاظ سے برے سمجھے جاتے ہیں ،تو یہ اخلاق قبیحہ ہیں۔

اخلاق حسنہ کی کچھ مزید توضیح یوں کی گئی ہے،کہ اگر انسان کی قوت علمی، قوت غضبی، قوت شہوانی،اور قوت عدل معتدل و متناسب اور عقل و شرع کا پابند و منقاد ہو ں ،تو ان سے صادر ہونے والے افعال و کردار اخلاق حسنہ کہلاتے ہیں ۔ اور اگر یہ قوتیں افراط و تفریط کا شکار ہوں تو ان سے صادر ہونے والے اطوار و اعادت اخلاق قبیحہ ہوں گے۔جیساکہ تربیت کے عنوان کے ذیل میں اس کی کچھ مزید وضاحت کی جائی گی۔

اخلاق حسنہ دو وجہ سے حاصل ہوتےہیں ۔پہلی وجہ داد الہی ہے۔کہ کوئی فرد ابتداء پیدائش سے کامل العقل ،خوش خلق پیدا ہوجائے ،اور شہوت و غضب کو اس پر غلبہ نہ ہو ، بلکہ یہ دونوں عقل وشرع کے منقاد رہیں ، تو ایسا فرد بے تادیب مؤدب کے حسین الاخلاق ،اور بے تعلیم معلم کے عالم باعمل ہوجاتا ہے، جیسے حضرت عیسیٰؑ اور حضرت یحیٰ ؑ اور جناب سید الاولین و الآخرین اور انبیاء علیہم السلام ۔اور یہ بات کچھ بعید نہیں کہ آدمی کی پیدائش اور فطرت میں وہ بات ہو جو اکتساب سے حاصل ہوتی ہے۔اکثر لوگ شروع ہی سے سخی اور جری اور صادق اللہجہ پید ہوتے ہیں ،اور بعض ان کے خلاف ہوتے ہیں ،لیکن یہ امر ان کو ان افراد سے میں ملے جلے رہنے سے حاصل ہوتا ہے، جو ان اوصاف حمیدہ سے متصف ہوتے ہیں ۔

دوسری وجہ ان اخلاق کو مجاہدہ اور ریاضت سے حاصل کرنا ،یعنی نفس سے ایسے کام لینے جن سے) کہ حسن اخلاق کا حاصل ہونا مقصود ہو (مطلوب اخلاق حاصل ہوجائے۔[4]

حقیقت یہ ہے کہ انسانی شخصیت کا انحصار اس کی ظاہری شکل و صورت کے علاوہ اس کے اخلاق و عادات پر بھی ہے، یہاں یہ کہنا درست ہوگا کہ اخلاق و عادات ہی انسان ہے، اور ان ہی سے اس کی شخصیت کا ظہور ہوتا ہے۔ یہ حقیقت نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد سے واضح ہے:

»الناس معادن كمعادن الفضة والذهب، خيارهم في الجاهلية خيارهم في الإسلام[5]

ترجمہ :لوگ کانیں ہیں ،جیسے سونے اور چاندی کی کانیں ،ان میں سے جو لوگ جاہلیت میں پسندیدہ تھے وہ اسلام میں بھی نمایاں ہیں۔

انسانی اوصاف کو خصوصی تربیت سے ایک خاص نہج پر عظم و مستحکم کیا جاسکتا ہے، انسانی تمدن میں انبیاء و صالحین کا یہی اصلاحی اور تربیتی کردار ہے، جس نے صالح افراد اور پاکیزہ معاشرے پیدا کئے،انبیاء کو یہ کامل حیثیت حاصل ہے، کہ انہیں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایک خاص مقصد حیات کی تکمیل کےلئے تیار کیا۔ ان حضرات کی حیثیت تلامیذ الرحمٰن کی ہے، جو فیوضات الٰہیہ سے مستفیض ہوکر انسانیت کےلئے نمونہ کمال کی حیثیت رکھتے ہیں ، ہر نبی نے اپنے دور میں انسانی اخلاق کے اعلیٰ ترین معیارات قائم کرکے انسانیت کےلئے روشنی مہیا کیا۔ قرآن مجید میں اللہ رب العزت نے اپنے حبیب نبی کریم ﷺ کی ثناء میں ان پر اپنی نعمت کا اظہار کرکے فرمایا:

وَإِنَّكَ لَعَلَى خُلُقٍ عَظِيم [6]

بے شک آپ خلق عظیم کے اعلیٰ درجہ پر ہیں۔

حضرت عائشہ فرماتی تھیں ،کہ آنحضرت ﷺ کا خلق قرآن تھا،

"فَإِنَّ خُلُقَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ الْقُرْآنَ[7]«

امام غزالیؒ نے حسن خلق کے بارے میں بڑی عمدہ بات کہی ہے،انہوں نے خلق کے دو نقطہ نظر واضح کئے۔ایک نقطہ نظر یہ کہ جس طرح انسان کا ظاہری ناک نقشہ ہے، جسے خلق کہتے ہیں ، اس طرح انسان کی ایک باطنی صورت ہے جسے خلق کہتے ہیں، جس طرح انسان کی ظاہری صورت میں تبدیلی ممکن نہیں اسی طرح اس کی باطنی صور میں بھی تبدیلی ممکن نہیں۔

دوسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ انسان نے جذبات اور خواہشات پر قابو پاکر اس کی باطنی قوتوں مناسب تنظیم سے اس کے اندر تبدیلی لائی جاسکتی ہے۔اور اس تبدیلی کا نام حسن خلق ہے۔ اگر یہ تبدیلی ممکن نہ ہوتی تو اصلاح و تربیت ،وعظ ونصیحت اور انبیاء و صلحاء کی کاوشیں سب شغل بیکاری ہوتا ، اور حضور پاک ﷺ یہ نہ فرماتے" : حسنوا اخلاقکم" ۔یعنی اپنے اخلاق کو حسین بناؤ۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر تغیر پذیری کی صلاحیت رکھ دی ہے،اور یہ تغیر آزادانہ بھی ہوسکتا ہے اور رضاکارانہ بھی ۔ اور یہ تغیر تربیتی نظام کی حدبندیوں سے بھی ممکن ہے ۔تربیتی نظام کےلئے ماحول اور معاشرہ انتہائی کارگر ثابت ہوتا ہے۔ جبکہ آزادانہ تغیر کےلئے جہاں سلامتی طبع کی استعداد

کام آتی ہے وہیں کسی طاقتور اور صالح شخصیت کا اسوہ نمونہ بھی بہت بڑا سبب بنتا ہے ۔انبیاء علیہم السلام کی برگزیدہ ہستیاں تربیت نفوس کے لئے روشنی کے معیار تھیں۔

شاہ ولی اللہؒ کا اخلاق اوراس کی غرض و غایت کے بارے میں حکیمانہ اور منفردانہ رائے ہے،فرماتے ہیں ": یہ واضح ہے کہ شارع نے انسان کو ایجاب و تحریم کا جن اعمال کی بناء پر مکلف بنایا ہے،وہ اعمال ہیں جن کی تحریک نفس کی ان کیفیات کے ذریعہ ہوتی ہےجو عالم آخرت میں نفس کے لئے مفید یا مضر ثابت ہوں گی،اس قسم کے اعمال کے بارے میں دو طرح کی بحث ہے ایک اس حیثیت میں کہ عام انسان انہیں اختیار کرتے ہیں ،یہ ظاہری اعمال ہیں ، اور دوسرے یہ انسانی نفوس کو مہذب بنانے کا ذریعہ ہیں، لہذا ان اعمال سے جو ملکات فاضلہ مقصود ہیں ان تک نفس کو پہنچانے کا آلہ ہیں ، پہلا علم شریعت ہے، اور دوسرے کو علم الاحسان کہتے ہیں[8]

تربیت کا معنی و مفہوم : لفظ تربیت ربّ یربّ تربیۃ کا مصدر ہے ،جس کے معنی نشو ونما دینے ،اضافہ ہونے یا بڑھنے کے ہیں ، اس طرح بالا دست ہونے اور انتظام کرنے کے بھی ہیں ۔ اما راغب اصفہانیؒ کے نزدیک تربیت کا معنیٰ ہے :

وهو إنشاء الشيء حالا فحالا إلى حدّ التمام[9]"

کسی چیز کو یک بعد دیگرے ایک حالت سے دوسری حالت میں اس طرح نشو ونما دیتے رہنا کی حد کمال کو پہنچ جائے۔

اللہ تعالیٰ کی ایک صفت رب ہے جس کے معنیٰ پالنے کے ہیں اس سے اسم فاعل مربی یعنی تربیت کنندہ بنتا ہے، امام بیہقیؒ رب کے معنی بیان کرتے ہیں :

هُوَ الْمُبَلِّغُ كُلَّ مَا أَبْدَعَ حَدَّ كَمَالِهِ الَّذِي قَدَّرَهُ لَهُ[10]"

رب وہ ہے جو ہر چیز کو جو اس نے ایجاد کی ہے، کمال کی اس حد تک پہنچانے والا ہے جو اس کے لئے اس نے مقدر فرمادی ۔

قرآن کریم میں ہے ارْجِعْ إِلَى رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ[11]

اپنے آقا کے پاس جاؤ اور اس سے پوچھو۔

حدیث میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ ایک اونٹ آپؐ سے اپنے مالک کی شکایت کی جو اسے چارہ نہیں دیتا تھا ،مگر بوجھ زیادہ لادتا تھا ،آپؐ نے پوچھا» " مَنْ رَبُّ هَذَا الْجَمَلِ، اس اونٹ کا مالک کون ہے؟[12]

یہاں رب کے معنیٰ مالک و آقا کے ہیں ۔

حضرت عبدللہ بن عباس سے ربانی کا معنی پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا :

"الرَّبَّانِيُّ الَّذِي يُرَبِّي النَّاسَ بِصِغَارِ الْعِلْمِ قَبْلَ کبارہ[13]"

ربانی اس شخص کو کہتے ہیں جو لوگوں کو بڑی باتوں سے پہلے چھوٹی باتوں کی تعلیم دے۔

مندرجہ بالا تعریفات کے ضمن میں ہم تربیت کی اصطلاحی مفہوم یوں بیان کرسکتے ہیں کہ " انسانی نفس کی اصلاح اور اس کے روح ،عقل و جسم تمام پہلوؤں کی نشوو نما کرکے اس کو حد کمال تک پہنچا دینے کا نام تربیت ہے"۔

تربیت کی اہمیت :

تربیت جس کے لئے قرآن و سنت میں تزکیہ نفس کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، اور اس کو سیرت و کردار سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے، اور انگریزی میں اس کے لئے Traning کا لفظ ستعمال ہوتا ہے، اس کی دین اسلام میں بڑی اہمیت ہے، یہ اصل دین ،مغز دین اور ہدف دین ہے،کیونکہ سنت نبوی ﷺ سے تزکیہ و تربیت کا جو مفہوم ہماری سمجھ میں آتا ہے، وہ یہ ہے کہ نفس انسانی کی ساری صلاحیتوں اور قوتوں کو رب تعالیٰ کی اطاعت کا خوگر بنایا جائے اور اسے رضائے الٰہی کی منزل تک لے جایا جائے۔یہی وجہ کہ تربیت و تزکیہ کو آپ ﷺ کی بعثت کا ایک اہم مقصد قرار دیا گیا ہے،بلکہ یہ نہ صرف آپ ﷺ کا مقصد بعثت تھا بلکہ گزشتہ تمام انبیاء کرام کی تشریف آوری کا بھی ایک اہم منشاء تھا۔ چنانچہ قرآن پاک میں ہے:

> ترجمہ :کامیاب ہوا وہ جس نے اپنا تزکیہ کیا ، جو اللہ کا ذکر کرتا رہا اور نماز پڑھتا رہا۔مگر تم لوگ دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو ،حالانکہ آخرت کی زندگی اس سے بہتر اور پائیدار ہے، یہی نصیحت پہلے صحیفوں میں بھی موجود تھی اور ابراہیمؑ اور موسیٰؑ کے صحیفوں میں ۔[14]

تربیت کی اہمیت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہماری دنیا و آخرت کی فوز و فلاح ،کامیابی و ناکامی کا دار و مدار اسی پر ہے۔

تربیت کا مقصد و حصول:

اسلام میں تربیت کا مقصد طبائع میں اعتدال پیدا کرنا ہے،کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان میں تین قسم کی قوتیں ویعت کی ہیں ،قوت عقلیہ ،قوت شہویہ ، اور قوت غضبیہ۔ان کا حاصل یہ ہے کہ ان سے انسان اپنے دنیوی و اخروی نفع کا حصول ،اور ضرر کا دفاع کرے۔ کیونکہ وہ قوت جس سے انسان اپنی منفعت و مضرت کو سمجھے، وہ قوت عقلیہ ہے، اور جس قوت سے منفعت کی چیز کو حاصل کرے،وہ قوت شہویہ ہے، اور جس قوت سے مضرت کو دفع کرے ،وہ قوت غضبیہ ہے۔

ان قوتوں کے تین درجے ہیں ، افراط، تفریط اور اعتدال ۔

ان تینوں قوتوں سے انسانی اعمال صادر ہوتے ہیں ، لیکن اگر یہ قوتیں حد اعتدال میں رہیں تو ان سے سرزد ہونے والے اعمال ،اخلاق حسنہ قرار پائیں ،بصورت دیگر ان کے اعمال و افعال اخلاق مذمومہ و قبیحہ کہلائیں گے۔

قوت عقلیہ کا درجہ افراط" جربزہ "ہے،یعنی عیاری و مکاری، اور درجہ تفریط" سفاہت "یعنی بیوقوفی و حماقت ہے، اور حدا عتدال" حکمت " یعنی سمجھداری و دانائی کہلاتا ہے۔

قوت شہویہ کا درجہ افراط " فجور " یعنی گناہ کہلاتا ہے، اور درجہ تفریط" جمود " یعنی نامردی و بے حسی کہلاتا ہے، اور اس کا حد اعتدال " عفت "یعنی پاکدامنی و شرافت کہلاتا ہے۔

قوت غضبیہ کا درجہ افراط" تہور" بے سمجھی کی بہادری ہے، اور درجہ تفریط" جبن " یعنی بزدلی ہے اور حداعتدال اس کا" شجاعت " کہلاتا ہے۔

ان تینوں قوتوں کے نکتہائے اعتدال یعنی حکمت،عفت اور شجاعت کو "عدالت " کہاجاتا ہے، اور انہی کی وجہ اس امت کو" امت وسط " یعنی معتدل امت کا لقب عطا کیا گیا ہے۔

ظاہر بات ہے کہ جس فعل و کردار کا منبع حکمت،عفت اور شجاعت ہو تو وہ اچھا اور مثبت قرار پائے گا، جبکہ جربزہ و سفاہت،فجورو جمود، اور تہور و جبن سے صادر ہونے والے کردار کی باشعور کے ہاں اچھے کردار نہیں سمجھے جاتے ۔

اسلامی اصلاح و تربیت کے مقاصد:

اسلام کی رو سے اصلاح و تربیت کے درج ذیل مقاصد ہیں۔

1 ۔**رضائے الٰہی :** تعلیم کا ہدف یہ ہونا چاہئے ایسے انسان تیار کرے جو اسلام کے مفہوم کے مطابق عبادت گزار ہوں ، یعنی ان کے رکوع و سجود میں نہیں بلکہ ہر عمل اور موت و حیات کا مقصد محض اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی قرار پائے۔

2۔**رجوع الی اللہ :**خالق کائنات کی جانب رجوع ہی نظریہ اسلامی کا محور ہے اور یہی اسلام کے نظریہ تربیت کا سرچشمہ اور منبع ہے ۔

3۔**عمل بالعلم :**تربیت ایک طرف تو قوم کی صدیوں کی ذہنی اور روحانی کمائی کو آئندہ نسل کی طرف منتقل کرکے اسے تباہی سے بچاتی ہے اور دوسری طرف اس نسل میں یہ قابلیت اور صلاحیت پیدا کرتی ہے کہ وہ بزرگوں کے عطاء کردہ ثقافتی ذخیرہ میں اپنی جدوجہد سے خاطر خواہ ۔۔۔۔

4۔**صالح معاشرے کا قیام :**اسلامی تربیت کا ایک مقصد یہ ہے کہ معاشرے کا ہر فرد انفرادی اور اجتماعی ذمہ داریوں کو ایک مومن کی حیثیت سے پورا کریں اور دوسرے کے حقوق پر تجاوز نہ کریں ۔

5۔**دعوت الی اللہ :**اسلامی تعلیم کا مقصد ایسے انسانوں کی پرورش ہے جو اللہ کے سامنے جوابدہ ہوں اور اس کے اوامر و نواھی انجام دینے کا فریضہ نبھاتے ہوں۔

6۔**آخرت کی تیاری :**اسلامی تعلیم و تربیت میں زندگی کو آخرت کے لئے ایک پل کی حیثیت حاصل ہے تربیتی مسائل زندگی میں عملی جامہ پہناتے ہیں ۔

تعلیم وتربیت میں ہم آہنگی:

قران مجید میں اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کی بعثت کا مقصد تعلیم و تربیت دونوں کو قرار دیا۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ[15]

ترجمہ :یہی اللہ ہے جس نے اٹھایا ان پڑھوں میں ایک رسول، پڑھ کر سناتا ہے انکو اسکی آیتیں اور انکا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے ۔

خود رسول اللہ ﷺ نے اپنی آمد کا مقصد تعلیم و تزکیہ قرار دیا ہے" انما بعثت معلما"۔ مجھے تو معلم بنا کر بھیجا گیاہے۔

إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ صَالِحَ الْأَخْلَاقِ[16]"

میں اس لئے بھیجا گیا ہو کہ لوگوں کے صالح اخلاق کی تکمیل کروں

نبی کریم ﷺ پوری انسانیت کے لئے عظیم اور مثالی معلم بن کر تشریف لائے تھے آپ لوگوں کو اسلام کی تعلیم دینے کے ساتھ انہیں احکام اسلام پر عمل کرنے اس کے مطابق اپنے عمل کو ڈالنے اور ا سکے مقتدا پر عمل کرنے کی تربیت دیتے تھے آپ کی تعلیم و تربیت نے پوری دنیا کے لئے رشد و ھدایت کی وہ ابدی قندیلیں روشن کردی، جو رہتی دنیا تک انسانیت کو عدل و انصاف امن و سکون علم و عمل اور عافیت اور اطمینان کی راہ دکھاتی رہیں گی صحابہ کرام جتنا حصہ قران مجید کا پڑھتے تھے اس پر ساتھ ساتھ عمل بھی کرتے تھے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے مروی ہے ۔

عبدالرحمن سلمی بیان کرتے ہیں کہ جن سے ہم نے قران پڑھا انہوں نے خود نبی کریم ﷺ سے پڑھا آیات یاد تو کر اٹھتے ،لیکن اس وقت تک ترک نہ کرتے،جب تک انکے جملہ تقاضوں کے مطابق عمل نہ کرلیتے اور اس طرح قران اور اس پر عمل ایک ساتھ سیکھتے تھے ۔

سید محمد متین ہاشمی لکھتے ہیں آج ہمارے نظام تعلیم کا سب سے بڑا نقص یہی ہے کہ آج محض تعلیم پر اکتفا کیا جاتا ہے تربیت پر توجہ نہیں ہوتی یہ تربیت اور تزکیہ کا ہی فیضان تھا کہ 23 سال کے قلیل عرصے میں ریگزار عرب کے بعد نشین دنیا کے استاد اور بکریوں کے چرانے واکے تقدیر امم کے مالک بن گئے۔

تربیت کے وسائل:

وسائل تربیت کے حوالے سے آجکل بہت ذہنی لغزشیں ،اور فکری ژولیدگی نظر آرہی ہے، مغرب کا تصور تربیت تو انتہائی ناقص ہے، اور ہمارے تعلیمی ادارے بھی اس بارے میں سرگریبان ہیں کہ وہ طلباء کی تربیت کیسے کریں ، اور اسی طرح صوفیاء کرام کے بعض حلقوں نے تربیت کو صرف صحبت و کثرت ذکر تک محدود کیا ہواہے، یہاں ہمیں زیادہ نکتہ چینی اور تنقیدی جائزے کا موقع نہیں ،ہم اپنے عنوان کی روشنی میں اختصار کے ساتھنبوی منہاج تربیت کے صرف تین اہم وسائل کی طرف اشارہ کریں گے۔

1۔ **شریعت :**شریعت اسلامی انسانی تربیت کا اولین منہاج تربیت نبوی ﷺ ہے، شریعت ہی سے نوع انسانی کا متوازن اور مکمل تربیت ممکن ہے، کیونکہ شریعت کے تمام تعلیمات و ہدایات کو چار بڑے شعبوں میں تقسیم کیا گیا ہے، یعنی عقائد، عبادات،اخلاق اور معاملات۔ اگر ان چاروں شعبوں کے احکامات پر اس توازن کے ساتھ عمل کیا جائے جس کی عملی تصویر ہمیں حضوراکرم ﷺ کی مبارک زندگی میں نظر آتی ہے تو پھر

انسان کی شخصیت اس طرح ارتقاء پزیر ہوتی ہے، کہ قرآن کا انسان مطلوب ،اور اسلام کا مرد باصفا وجود میں آجاتا ہے، اور انسانی نفس کا مکمل اور متوازن تزکیہ ہوجاتا ہے۔یہاں صرف نماز کی مثال لیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ[17]

کہ نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے۔

الغرض شریعت کے تمام شعبہ جات کو انسانی نفس کی تزکیہ و تربیت میں بہت بڑا کردار ہے،اور آپ ﷺ نے اسی کو نفوس انسانی کی تربیت و اصلاح کے لئے اولین منہج بنایا۔

2۔ **عملی نمونہ :** تربیت کا دوسرا منہج نبوی خود حضور ﷺ کی عملی زندگی تھی، حضور ﷺ نے صحابہ کرام کی جو کامیاب تربیت کی اس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی،کہ آپ ﷺ جو کچھ کہتے تھے،خود اس پر عمل کرکے دکھاتے تھے، آپ ﷺ کی تلقین محض زبانی نہ تھی، محض وعظ و لیکچر نہ تھے، بلکہ اس تعلیم کے تقاضوں کا آپ ایک بہترین نمونہ بھی تھے۔ ایک دفعہ کسی صحابی نے حضرت عائشہ سے پوچھا کہ آپ ﷺ کے اخلاق کیسے تھے ؟ تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم قرآن نہیں پڑھتے ہو ، آپ ﷺ کے اخلاق تو قرآن ہی تھا۔[18]

جنگ خندق میں غربت اور بھوک کا یہ عالم تھا کہ صحابہ کرام پیٹ پر پتھر باندھنے پر مجبور ہوگئے تھے، ایک آدمی نے آپ ﷺ سے بھوک کی شکایت کی اور اپنے پیٹ پر باندھے پتھر کو آپ ﷺ کو دکھایا ،تو حضور ﷺ نے اپنے شکم مبارک سے کپڑا ہٹا دیا وہاں دو پتھر باندھے ہوئے تھے،

غرض حضور ﷺ کی ساری زندگی ایسی مثالوں سے بھری ہوئی ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی ہدایات و تعلیمات کا عملی نمونہ بن کر صحابہ کرام کی تربیت و اصلاح فرمائی۔ اور قرآن پاک نے بھی اس کی گواہی دی۔فرمایا :

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ[19]

تمہارے لئے اللہ کے رسول کی ذات میں ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔

3۔ **تعلیم :** تربیت کی منہج نبوی کا ایک اہم وسیلہ تعلیم تھا، حضور ﷺ کی جب بعثت ہوئی تو اس وقت تعلیم کے جو ذرائع میسر تھے، وہ سب آپ نے استعمال کئے ،لکھائی اور پڑھائی کا اس وقت رواج عام نہ تھا، تعلیم کا انحصار زبانی گفتگو، اور غیر رسمی مجالس و نشستوں پر تھا ،چنانچہ آپ ﷺ نے اپنے چوبیس گھنٹے وقف کررکھے تھے ،اور یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے بعثت کے بعد کسب رزق کے لئے عمدا کوئی ذریعہ معاش اختیار نہیں کیا بلکہ سارے اوقات کو لوگوں کی تعلیم کے لئے وقف رکھے،اور تعلیم کا سلسلہ ہر وقت جاری رہتا تھا۔

تربیت کے اسالیب:

آپ ﷺ کی منہج تربیت تو بے شمار خصوصیات سے مالا مال ہے، تو اس میں ان گنت خوبیاں اور خاصیات ہیں ،ان سب کا بیان تو کسی بڑی کتاب میں ہی ممکن ہے یہاں صرف چند ایک اسالیب پر بات کریں گے۔

1۔نرمی : آپ ﷺ کی تعلیم وتربیت کا ایک وصف یہ تھا کہ آپ ہمیشہ نرمی اور بردباری سے کام لیتے تھے، کبھی سخت لہجہ اور درشت رویہ اختیار نہ فرماتے ۔ حضرت انس فرماتے ہیں ،کہ میں بچہ تھا ،اور آپ ﷺ کی خدمت کرتا تھا ،بچپنے کی وجہ سے بے دھانی اور حکم عدولی بھی ہوجاتی تھی،لیکن حضور ﷺ نے مجھے کبھی نہیں ڈانٹا اور نہ مجھ پر غصہ ہوتے۔

ایک دفعہ ایک بدو نے مسجد نبوی میں پیشاب کیا ،آپ ﷺ نے اسے نہیں ڈانٹا ،بلکہ پیار اور نرمی سے سمجھایا کہ مسجد اس کام کے لئے موزون نہیں ہے۔[20]

2۔مشورہ کرنا : آپ ﷺ کی تربیت کا ایک طریقہ یہ تھا کہ آپ ﷺ اپنے اصحاب سے مشورہ طلب امور میں مشورہ یا کرتے تھے، حالانکہ آپ اللہ کے پیغمبر تھے،آپ پر وحی اترتی تھی، اور آپ اپنی خداداد فراست سے بھی فیصلہ کرسکتے تھے،لیکن باین ہمہ آپ ﷺ مشورہ فرماتے ہیں ، اور بسا اوقات اپنی رائے چھوڑ کر اپنے احباب کی رائے پر عمل کرتے، جیساکہ غزوہ احد میں ہوا، کہ آپ نوجوان صحابہ کرام کی رائے پر مدینہ سے نکل گئے اور غزوہ بدر میں مقام جنگ کی تعیین میں آپ نے حضرت حباب بن منذر کی رائے مان لی۔

3۔ عمدہ خطابت : آپ ﷺ کی ایک اہم اسلوب تربیت آپ ﷺ عمدہ طرز خطابت تھا، آپ کی آواز بھاری اور پھاٹ دار تھی، موقع و محل کی مناسبت سے آواز کو پست و بالا فرماتے ،اور ضرورت ہوتی تو ہاتھوں کا اشارہ بھی فرماتے،اور ہمیشہ سامعین کی مزاج و ذہنی سطح پرملحوظ رکھ کر خطاب فرماتے۔[21]

4۔مساوات : حضور ﷺ کی انداز تربیت کا ایک دلنشین انداز یہ تھا کہ آپ جو کام دوسروں کو کرنے کا کہتے تھے،خود بھی اس میں بڑھ چڑھ کر شریک ہوتے۔ ایک سفر میں جب لوگوں نے پڑاؤ ڈالا اور کھانے کی تیاری کی ذمہ داریاں تقسیم کی تو آپ ﷺ نے آگ جلانے کی لکڑیاں جمع کرنے کا کام اپنے ذمہ لیا۔

غزوہ بدر میں سواری کی کمی کی وجہ سے آپ ﷺ بھی صحابہ کرام کی طرح پیدل چلا کرتے تھے۔

5۔حریت : آپ ﷺ اپنی بات لوگوں سے زبردستی نہیں منواتے ، بلکہ متعلقین کو اس کا حق دیتے کہ وہ اپنے منشاء و مرضی کے مطابق وہ کام کرے،جیساکہ حضرت بریرۃ کو اسی کی مرضی پر فسخ نکاح کی اجازت دی،حالانکہ آپ ﷺ کی خواہش تھی کہ نکاح نہ ٹوٹے۔

حسن معاشرت اور اخلاق نبوی ﷺ

انسانی معاشرہ باہمی ربط و ارتباط سے تشکیل پذیر ہوتا ہے اسی بناء پر جدید عمرانیات کی اصطلاح میں انسان کو معاشرتی حیوان کہا جاتا ہے، اس باہمی ارتباط سے جو رشتے استوار ہوتے ہیں جن کے لئے اسلام میں رحم (النساء؛۴)کی وسیع اور معنی خیز اصطلاح استعمال کی گئی ہے،ان کی عمدہ طریقوں پر ادائیگی کرنا حسن خلق ہے، اس خوش ادائیگی کے بھی کئی زاویے ہیں ،کسی کی نظر صرف اپنے کنبے اور خاندان تک محدود ہوجاتی ہے،کوئی صرف اپنی ملت یا قوم کے لوگوں کو ہی اپنی خوش خلقی کا مستحق سمجھتا ہے۔جبکہ ہر فرد اس امر سے

واقف ہے کہ انسانی زیست کا یہ ایک نازک مقام ہے اور اس باب میں نہ افراط قابل قبول ہے نہ تفریط ، یہاں حد درجہ احتیاط کے ساتھ اپنے فرائض کی انجام دہی کامیابی کی کلید ہے تو ذرا سی بے احتیاطی فلاح و کامیابی کے راستے سے بھٹکانے کے لئے کافی ہے، ایسے میں تاریخ عالم میں ایک بزرگ ہستی ایسی بھی گزری ہیں جس نے پورے انسانی معاشرے کو بحیثیت ایک کنبے ،ایک قبیلے،اور ایک وحدت کے تصور میں پرو دیا ،اور بنی آدم کو بلا امتیاز رنگ و نسل ان کے جائز اور فطری حقوق عطا کئے ،اس کی نگاہ میں تفریق ہمیشہ بے معنی رہی۔ وہ مبارک و مسعود ہستی سرور عالم آنحضرت ﷺ کی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قران پاک میں فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ[22]

ترجمہ :اے لوگوں ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنادیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔

اس آیات مبارکہ میں پوری نوع انسانی کو خطاب کرکے اس عظیم گمراہی کی اصلاح کی گئی ہے جو دنیا میں ہمیشہ عالمگیر فساد کی موجب بن رہی ہے ،نسلی، وطنی،اور قومیت کا تعصب قدیم ترین زمانے سے آج تک ہر دور میں انسان بالعموم انسانیت کو نظر انداز کرکے اپنے گرد کچھ چھوٹے چھوٹے دائرے کھینچتا رہا ہے، یہ دائرے کسی عقلی اور اخلاقی بنیاد پر نہیں ،بلکہ اتفاقی پیدائش کی بنیاد پر کھینچے گئے ہیں ۔

اسی تمیز نے نفرت،عداوت، تحقیر و تذلیل اور ظلم و ستم کی بدترین شکلیں اختیار کی ہیں ،فلسفے گھڑے گئے، قوانین وضع کئے گئے،اخلاقی اصول بنائے گئے،قوموں اور سلطنتوں نے اس کو اپنا مستقل مسلک بناکر صدیوں اس پر عمل درآمد کیا۔ آج اس بیسویں صدی ہی میں ہر شخص اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تمام انسانیت کو مخاطب کرکے تین اہم اصولی حقیقتیں بیان فرمائی ہیں ۔

پہلی یہ کہ تم سب کی اصل ایک ہے، ایک ہی مرد اور ایک ہی عورت سے تمہاری پوری نوع وجود میں آئی ہے، اس سلسلہ تخلیق میں کسی جگہ بھی اس تفرقے اور اونچ نیچ کے لئے کوئی بنیاد موجود نہیں ہے جس کے زعم میں تم مبتلا ہو۔

دوسرے اپنی اصل کے اعتبار سے ایک ہونے کے باوجود تمہارا قوموں اور قبیلوں میں تقسیم ہوجانا ایک فطری امر تھا ،خالق کائنات نے جس وجہ سے نسلی گروہوں کو اقوام اور قبائل کی شکل میں مرتب کیا تھا، وہ صرف یہ تھی ، کہ ان کے درمیان تعارف اور تعاون کی فطری صورت برقرار رہے، اسی طریقے سے ایک خاندان ،ایک برادری ، ایک قبیلے اور ایک قوم کے لوگ مل کر مشترک معاشرت بناسکتے ہیں ۔

تیسرے یہ کہ انسان اور انسان کے درمیان فضیلت و برتری کی بنیاد اگر کوئی ہے اور ہوسکتی ہے تو وہ صرف اخلاقی فضیلت ہے۔[23]

آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ میں جس چیز نے سب سے زیادہ لوگوں کو آپ کا گرویدہ بنایا، وہ آپ ﷺ کا بلاتفریق رنگ و نسل و زبان حسن خلق اور جمیل طرز معاشرت تھا، سرور کونین کی حیات اقدس کا یہ وہ باب ہے، جہاں آکر آپ ﷺ کی زندگی تمام انبیاء کرام اور مصلحین عالم سے علانیہ ممتاز نظر آتی ہے۔

آپ کی ذات گرامی چونکہ نمونہ کمال کی آخری منزل ہے اور آئندہ نسلوں کے لئے تنہا معیار ہے، اس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے ذاتی و نبوی اوصاف و کمالات کی حفاظت کی۔

اسی بناء پر قرآن مجید میں آپ کی بے مثل کامیابی کو آپ کی نرمی اور شفقت کا نتیجہ قرار دیا گیا۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ ۔[24]

ترجمہ: پس اللہ کی رحمت سے آپ ان لوگوں کے لئے نرم ہوگئے اورا اگر آپ ترش رو، سخت دل ہوتے تو سب لوگ آپ کے پاس سے منتشر ہوجاتے۔

قرآن کریم میں آپ کو اسی بناء پر} " عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ[25]

یعنی تمہاری تکلیف ان کو گراں معلوم ہوتی ہے وہ تمہاری بھلائی کے بہت خواہش مند ہیں، اور مومنوں پر نہایت شفقت کرنے والے اور مہربان ہیں۔

أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ[26]

یعنی پیغمبر مومنوں پر ان کے جانوں سے بھی زیادہ حق رکھتے ہیں، اور سب سے بڑھ کر(رحمۃ اللعالمین) قرار دیا۔

آپؐ کے حسن اخلاق کا ایک مابہ الاشتراک کلیہ واضح ہوتا ہے، جو آپ کا بنی نوع انسان کے لئے نہایت پدرانہ و پیغمبرانہ محبت و شفقت، نرمی اور عفوو درگذر کا بحر ذخار ہونا ہے، یہی مخلصی اور رویہ آپؐ کی حیات طیبہ کا خلاصہ و عطر ہے۔ قبل از نبوت میں بھی حضرت خدیجہ الکبریٰ کی گواہی کے مطابق آپؐ غریبوں، محتاجوں، اور بے کسوں کے ہمدرد، مسافروں کے بہی خواہ، بیواؤں اور ضعیفوں کے حامی و ناصر بلکہ ان کو کماکر دینے والے رہے۔

جنگ بغاث سے جو تباہی ہوئی اس نے آپؐ کے دل پر خاص اثر کیا، آپؐ نے خونریزی کو روکنے کے لئے حلف الفضول کے احیاء کے لئے انتھک کام کیا۔

علاوہ ازین دوسروں کے لئے آپؐ کے دل میں جو محبت و شفقت کا بے پناہ معیار تھا، اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: الدین النصیحۃ دین سراسر خیر خواہی ہے۔

یہ دوسروں کے لئے حد درجہ سے بڑھی ہوئی خیر خواہی کا ہی نتیجہ تھا، کہ کفار کے ایمان قبول نہ کرنے کا غم ہمیشہ آپ کے لئے جان گسل رہا،اور قرآن کریم کو بارہا آپ کے دلی تسلی کرنی پڑی۔

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسَكَ عَلَى آثَارِهِمْ إِنْ لَمْ يُؤْمِنُوا بِهَذَا الْحَدِيثِ أَسَفًا[27]

یعنی یا آپ اپنی جان کو اس غم میں کہ وہ ایمان نہیں لاتے ہلاک کرڈالیں گے۔

یہی نہیں بلکہ ہمیشہ دوسروں کے معاملات میں آپؐ کی طرف سے پیش رفت رہی، آپؐ کی سیرت طیبہ میں دوسروں سے اپنے حقوق کا تقاضا کرنے اور ان پر اصرار کے بجائے دوسروں کو ان کے حقوق دینے کا اصول کار فرما تھا، قرآن پاک کی یہ آیت آپ کے جمیل طرز معاشرت پر بخوبی روشنی ڈالتی ہے:

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ۔[28]

یعنی بھلائی اور برائی برابر نہیں ہوسکتی۔آپ (سخت کلامی کا) ایسے طریق سے جواب دو ،جو بہت اچھا ہوا،)ایسا کرنے سے (آپ دیکھیں کہ جس شخص میں اور تم میں دشمنی تھی وہ تمہارا گرم جوش دوست ہے۔

اسی بناء پر آپؐ ہمیشہ سلام و مصافحہ کرنے،اور عمدہ برتاؤ میں پہل فرماتے تھے، آنحضرتؐ کی معاشرتی اخلاقیات کا احاطہ کرنا ناممکن ہے،البتہ آپ کی حسین دل آویز طرز معاشرت کے چند خصائص ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں،تاکہ پیکر اخلاص و صفا،اور مجسمہ مروت و اخلاق کے حسن معاشرت کا کچھ اندازہ ہوسکے۔

امام بخاریؒ کا قول ہے کہ جس طرح ماں باپ اولاد کو سنوارتے ہیں،رب تعالیٰ نبی کو سنوارتا اور مزین کرتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کی تزئین اس انداز میں کی کہ آپ اپنی مثال آپ ہیں۔ آپ اخلاق حسنہ کا کامل اور مکمل مجسمہ بنا دیا۔ اور کائنات کے لئے ایک بہتر ماڈل ۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو معراج کرایا تاکہ معلوم ہوجائے کہ جتنا زمین سے آسمان اونچا ہے اس قدر کائنات میں آپ کی شان اونچی ہے، نبیوں میں جو اپنی تمام تر خداداد صلاحیتوں اور علم عمل کی ساری عظمتوں میں یکتائے خلائق کہ جس میں کائنات حستی کے تمام تر کمالات سمٹ کر جمع ہوگئے خلق عظیم سے آراستہ و پیراستہ کرکہ اسوہ حسنہ کا محور اور مرکز بنادیا۔۔۔ کے لئے ہمارے عالم کے واسطے قابل تقلید نمونہ اور عظمت اخلاق کا صحیح پیکر ہے وہ پیکر عظیم ہے جسے" ورفعنا لک ذکرک "کہہ کرپکارا اور جس کے نام کو دو جہانوں میں سر بلند کر کے خاتم النبین کے منصب جلیل پر فائز فرمایا یہ آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی ہے جنہیں اولاد آدم کا سردار یکتائے انسانیت بنایا آنحضرت ﷺ کو اللہ نے جن اعلیٰ اخلاق اور ملکات پر پیدا فرمایا وہ مثالی ہیں اور آپ کے اعمال و اخلاق قران کی عملی تفسیر بھی ہے قران جس نیکی اور خوبی کی طرف دعوت دیتا ہے وہ آپ میں فطرتا موجود ہیں اور جس بدی زشتی سے روکتا ہے آپ طبعا اس سے نفور بیزار ہے

پیدائشی طور پر آپ کی سرشت اور تربیت ایسی واقع ہوئی ہے آپ کے کوئی بات اور کوئی چیز حد اعتدال سے ہٹنے نہیں پاتی آپ کی حسن اخلاق کا تقاضا ہے کہ ہر برائی آپ سے دور رہے آپ کی آمد جہانوں

کے لئے ۔۔۔ آپ کی ذات صفات دونوں جہانوں کے لئے نہ ختم ہونے والی پیار ہے آپکی تشریف آوری سے جہانوں میں رونق پیدا ہوئی۔۔۔ شگفتہ اور ترو تازہ ہوئے آس اور نا امیدی کی گھٹائیں چٹ گئیں اور ایمان و عمل کی بنیاد پر روشن مستقبل کی داغ بیل ڈالی گئیں آپ کی آمد پر مکہ مکرمہ ہوگیا اور یثرب مدینہ منورہ کہلایا آپ نے فرمایا مدینہ میں دجال نہیں آیگا وبا نہیں پھوٹے گی اور یہ تیز قحط سے محفوظ رہیگا آپ سسکتی دم توڑتی دکھی انسانیت کے لئے دکھوں کا مداوا بن کر آئے کائنات کی تاریکیاں چٹ گئیں اور نور نبوت سے ہر سو روشنی ہی روشنی کا سماں ہوا قران مجید کا ارشاد ہے انا ارسلناک۔۔۔۔۔ سراجا منیرا کا لقب عطا کیا آپکی ذات مبارک علم و عمل او ر حسن اخلاق کا چمکتا دھمکتا سورج ہے دنیا کے سورج سے آنکیں چندھیا جائیں لیکن اس سے آنکیں منور ہوجائے دنیا کا یہ سورج قیامت کی نور معمور ہو گا۔

اعلی نمونہ عمل:

کسی بھی معاشرے میں انسان کا عمل بڑا معنی رکھتا ہے، کوئی بھی شخص اپنے عمل ہی سے بہترین اور بد ترین ہونے کی مثال قائم کرتا ہے،ہمارے سامنے تا قیامت صرف اور صرف ایک ہی ایسی ہستی کی مثال سامنے نظر آتی ہے ،وہ رسول اللہ ﷺ کی ۔جس میں انسان اور معاشرہ دونوں کی بقا کا حصول کار زار ئے۔آپ ؐ کے اوصاف حمیدہ کا معیار اتنا اعلیٰ اور ارفع ہے، کہ اس کی شہادت کے لئے قرآن حمید کی گواہی کافی و شافی ہے :

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ[29]

تمہارے لئے اللہ کے رسول کی ذات مین ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔

اور اس کے ساتھ آپ کے دل میں اپنی امت کے واسطے فراواں محبت پیدا فرمادی۔ بے شک آپ سے محبت او ر چاہت رکھنے والے دنیا اور آخرت میں کامیابیاں پائیں گے، ہم وہ امت مسلمہ ہیں جس میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے عظیم المرتبت پیغمبر کو بھیجا ہے،کہ ایمان والے اس کے انوار وبرکات سے استفادہ کرسکتے ہیں ،ارشاد ربانی ہے :

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ۔[30]

اس نے ان کے درمیان خود ان ہی میں سے ایک ایسا عظیم المرتبت پیغمبر بھیجا ہے جو اللہ کی آیات تلاوت کرتا ہے، ایمان والوں کی زندگیوں کو سنوارتا ہے، اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

بےشک آپؐ نے نہ صرف مالک کائنات کے احکامات من و عن پڑھ کر سناتا ہے بلکہ مکارم اخلاق کی اعلی حد بھی قائم کرتا ہے، اور ان کی زندگیوں اور معاشرہ کو بھی بناتا ہے۔

ا۔اصلاح وتربیت بذریعہ تعلیم:

اسلام نظام تعلیم میں اسلامی طرز فکروعمل کے حوالے سے تربیت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔کیونکہ اسلام میں" تعلیمی عمل"کوئی بے حس،جامداور میکانکی عمل کا نام نہیں ہے،جو مشینی آلات کی مدد سے مطلوبہ معلومات کو ایک فردسے دوسرے فرد تک،یا ایک نسل سے دوسرے نسل تک منتقل کرتاہے۔بلکہ تعلیم ایک ایساعمل ہے جس کے ذریعے معاشرہ کے رویے ،عادات واطوار اور طرزوفکر وعمل میں ایسی تبدیلی لانا مقصودہے جواسلام کے مطلوبہ معیار پر پورا اترتاہےاور اسلامی سوسائٹی کے ایک جزو کی حیثیت سے اپنا کردار ادا کرسکے۔ایک مسلمان کی زندگی میں عموماًاور داعی اسلام کی زندگی میں خصوصاً حسن خلق ایمان کا عظیم کی ترین رابطہ ہے،اور سب سے اعلی درجہ شمار ہوتاہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِين ايمانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقاً[31] "

"سب سے زیادہ کامل ایمان والا وہ مؤمن ہے جو ان میں سے زیادہ اچھے اخلاق والاہے"۔

گویا معلمین انسانیت محض رضایات) وحی الہی(کی تعلیم ہی نہیں دیتے بلکہ وہ خود اس نصاب کی تعلیمات کا عمل پیکرہوتے تھے۔

مذہب اسلام کی سربلندی اور عروج کی وجہ یہی تعلیمات ہیں جس کی وجہ سے مسلمان دین کے علم کے نور سے منور کرنے والے بن گئے۔

انبیاء علیہم السلام کو جوشرف وکرامت جملہ حقوق الہیہ پرحاصل ہے اسے اللہ تعالی نے وصف علم ہی سے نمایاں فرمایاہے۔قرآن کریم کے خطابات والقابات خاتم النبیین اور رحمۃ للعالمین بھی ہیں۔اور انہی کے پہلو بہ پہلو حضور اکرم ﷺ کی توصیف الفاظ میں بھی کی گئی ہے:

يعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالحِكْمَةَ وَيعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ۔[32]

"اور تمہیں وہ کتاب وحکمت کی تعلیم دیتاہے اور تمہیں ان علوم کی تعلیم دیتاہے جو تم نہ جانتے تھے"۔

اس آیت کی ضمن میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی اپنی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

یہاں یعَلِّمُ سے مراد علم لذاتی ہےجو قرآن کے باطن اور نبی مکرم کے منور وروشن سینہ سے حاصل ہوتاہے۔اور اس کے حصول کاذریعہ مروجہ تعلیم وتعلم نہیں بلکہ انعکاس ہے۔یعنی آفتاب قرآن کی کرنیں اور ماہتاب نبوت کی شعاعیں دل کی آئینہ پر منعکس ہوتی ہیں۔

یہ وہ علم نافع ہے جس میں انسانیت کی فلاح وبہبود مضمرہے،جس سے انسان سدھرتاہے۔ترقی کے زینے طے کرتاہےاور آفاق کی بلندیوں پر پہنچتاہے۔آپ ﷺ کا ارشادگرامی ہے:

"اِنما بُعِثْتُ مُعَلِّما[33] "

"بے شک میں معلم بناکر بھیجاگیاہوں"۔

آنحضرت ﷺ نے بحیثیت معلم انفرادی اور اجتماعی حیثیتوں میں اپنے فرائض کی انجام دہی فرمائی، آپ ﷺ کا کام لوگوں کے دامن کو علم کے موتیوں سے بھرنا تھا۔

آنحضرت ﷺ جب مکہ میں مبعوث ہوئے اور نبوت کے چراغ کی روشنی پھیلانی شروع کی تو ان حالات میں ان لوگوں کی اعلی تہذیب وتمدن سے ہمکنار ہونا کس قدر کٹھن تھا،اتنا مشکل اور کٹھن کہ جس کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔کیونکہ کسی قوم کا تعلیم کے بغیر ارتقاء کے زینے طے کرنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔اور یہ راز اور نکتہ حضور ﷺ نے پالیا تھا۔اور آپ ﷺ نے اصلاح معاشرہ کی فلاح کے لیے اس میں کوئی کمی نہ اٹھا رکھی۔آپ ﷺ نے گلی گلی،کوچہ کوچہ،بستی بستی،نگری نگری،علم وفکر کی قندیلیں روشن کرنے کا بندوبست فرمایا۔اور آپ ﷺ نے تھوڑی ہی مدت میں پورے ملک عرب میں علم وعرفان کے ڈنکے بجادیئے،وہ عرب اور وہ تہذیبیں جہاں جہالت وضلالت کے تاریک و دبیز پردے پڑے ہوئے تھے آنحضرت سرور عالم ﷺ نے وہ سب پردے چاک کر دیئے اور پورے خطے کو علم کا گہوارہ بنادیا۔

اصلاح وتربیت بذریعہ مصلح:

دنیا میں بڑے بڑے مصلح،بڑے بڑے ہادی،راہنما،لیڈر،ریفارمز گزرے ہیں اور انہوں نے اپنی قوم کی اصلاح میں اپنی عمریں خرچ کردیں تھیں۔مگرہادی عرب ﷺ نے جس خوبی ،مہارت اور عقلمندی سے چندہی سالوں میں عرب جیسے جاہل اور اجڑ بدوؤں کی اصلاح کردی تھی اور اصلاح بھی ایسی کہ آنے والی نسلوں میں برابر جاری رہی،یقیناً دنیا کے کسی مصلح سے نہیں ہوسکی۔

اعلی درجہ کا مصلح وہی ہوسکتاہے جو صحیح معنوں قوم کا فرض شناس ہو،حالات اور مزاج سے واقف ہواور آہستہ آہستہ ان کے مزاج وطبعیت کے موافق ہی اصلاح کرتا چلاجائے۔یہ خوبی بدرجہ اتم حضور ﷺ میں موجود تھی۔حضور ﷺ کی طبعیت میں()، تحمل،بردباری بھی قدرت نے ودیعت کررکھی تھی اور یہی وہ جوہر ہیں جو ایک صالح مصلح نے دنیا کے سامنے پیش کرکے پورے انسانیت کو اپناگرویدہ بنالیا۔

رسم غلامی کی اصلاح:

مدت سے دنیا میں غلام بنانے کی رسم چلی آرہی تھی اور کسی مذہب نے اس رسم کو معیوب قرار نہیں دیاتھا یہاں تک کہ عیسائیت میں بھی ان کے متعلق کوئی قانون مرتب نہ تھا۔ہندو مذہب بھی مدت سے دنیا میں چلاآرہاتھا مگر اسے بھی ملک سے غلامی کی لعنت دورنہیں کیاجاسکا۔بلکہ الٹا اچھوتوں کوغلام قراردیا اور انہیں برہمنوں کے مقابلے میں ذلیل ترین مخلوق ٹھہرایا۔

الغرض دنیا میں غلاموں کی اولاد بھی غلام متصور ہورہی تھی۔آنحضرت ﷺ نے اس رذیل رسم اور طریقہ کو آتے ہی ختم کردیا۔اور آپ ﷺ نے اس بے زبان طبقہ کی نیابت کی ،ان بے کسوں کی حالت پر ترس کھایا۔آپ ﷺ نے لوگوں کو بتایا کہ یہ مظلوم بھی اللہ کے بندے ہیں،آپ ﷺ نے ان تمام ظالمانہ قوانین کوتوڑدیا۔

آنحضرت ﷺ نے ان کی آزادی کے لیے حکم دیا کہ اگرکسی مسلمان سے کوئی قصور سرزد ہوجاتا تو شرعی طور پر اس کی تعزیر میں غلام آزاد کرنا بھی رکھ دیا گیا۔جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہزارہا غلام آزاد ہوئے۔اور خود حضور ﷺ نے غلام خرید خرید کر آزاد کئے تاکہ لوگوں کو ترغیب ہو،اور اسے ایک بہترین صدقہ قرار دیا۔

ایک شخص نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کی :یارسول اللہ!ﷺ میں غلاموں کا قصور کتنی دفعہ معاف کروں؟آپ ﷺ خاموش رہے۔اس نے پھر عرض کیا،آپ ﷺ نے پھر خاموشی اختیار کی اس نے تیسری بار عرض کیاتو آپ ﷺ نے فرمایا:

"اعفو عنه فی کل یوم سبعین مرة[34] "

" ہر روز ستر بار معاف کرو "

اسی طرح حضرت ابوذرؓ جلیل القدر صحابی تھےانہوں نے ایک آزاد غلام کو اس کے عجمی ماں کا طعنہ دیا تو اس نے رسول اللہ ﷺ سے اس کی شکایت کی، آپ ﷺ نے ابوذر سے کہا:

"یا اباذر! انك امرء فیك جاهلیة،قال:انهم اخوانکم فضل الله علیهم ،فمن لم یلائمکم فبیعوه ولاتعذبوا خلق الله"۔[35]

غلاموں سے حسن سلوک اور شفقت وہمدردی کا جو رویہ آپ ﷺ نے اپنی ذات کے حوالے سے پیش کیا اس کے لیے دوسروں کو آگاہ کرنے کے مختلف اسلوب اختیار فرمائے ہیں۔

یہ وہ اعلی طریق تھا جو رحمت اللعالمین کے اسوہ میں پائے جاتے تھے،یہاں تک کہ آپ ﷺ کے محبت وشفقت کا اثر تھاکے اکثر کافروں کے غلام بھاگ کر آپ ﷺ کے ہاں پناہ لیتے اور آپ ﷺ ان کی آزادی کا اہتمام کرتے،

جو غلام آزاد ہوتے آپ ﷺ ان کی مالی معاونت میں کوئی کسر نہ اٹھارکھتے۔مالِ غنیمت جب تقسیم ہوتا تو اس میں غلاموں کا حصہ دیتے۔

آپ ﷺ نے معاشرہ میں غلاموں کے ساتھ حسن سلوک اورشفقت کی مثال قائم کرکے دکھائی۔آپ ﷺ کی شفقت ورحمت بالآخر غلامی کے اختتام کا ذریعہ ثابت ہوئی۔

قیدیوں کی رسوم کی اصلاح:

حضور ﷺ سے پہلے یہ رواج تھاکہ جس قدر جنگی قیدی ہوتے سب کو موت کے گھاٹ اتاردیاجاتا۔مگر اس جاہلانہ رسم کو بھی آپ ﷺ نے اپنے اخلاقی رویے سے اپنے دامن میں سمٹ لیا،

آپ دیکھیں ذرا ماضی میں کہ جب سکندراعظم نے ایران کو تہ وبالا کیا،چین کو جس طرح کچلا،ترکستان پر جو کچھ ہوا۔

نپولین بوناپارٹ دنیا کاسب سے بڑا فاتح سمجھاجاتاہے مگر فتح ٹولون،فتح پرتگال،فتح اسپین پر اس نے جوغضب ڈھادیا،وہ خون خوار درندوں سے کم نہیں ہے۔دیگر فاتحین نے بڑے بڑے ملک اور شہر فتح کئے مگر

کس طرح! جس شہر یا گاؤں میں گئے اور لوٹا، یا آگ لگادی۔ بچے بوڑے سب تہ تیغ کردیئے۔ عورتوں کے عصمت دری کی اور بھیڑیوں کی طرح رعیت پر ٹوٹ پڑے۔

اور دور حاضر میں آج بھی اغیار کا بدترین سلوک جو مسلمانوں کے ساتھ ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔

سرولیم میور جیسے مخالف کو بھی فتح مکہ پر حضور ﷺ کی داد دینی پڑی۔

اسی طرح ڈین پول کی رائے، حضور ﷺ کی فتح مکہ پر اسلام کے شدید ترین دشمنوں نے جو رائے لکھی ہے اس میں ڈین پول آپ ﷺ کی فتح کاذکر کرتے ہوئے لکھتاہے:

"جب آپ ﷺ مکہ پر حملہ آور ہوئے اور مکہ والوں نے اطاعت قبول کرلی۔ پیغمبر ﷺ کے لب پہ وقت خون خواری دکھانے کا تھا، آپ ﷺ کے مخالف دشمن آپ ﷺ کے قبضے میں تھےاور پوری طرح ان سے انتقام لیاجاسکتاتھا، لیکن آپ ﷺ نے قریش کے تمام قصور میں معاف کردیئے۔ اور فوج اس قدر سکون کے ساتھ شہر میں داخل ہوئی کہ گویانئی بات ہی نہ تھی۔ اور نہ کوئی گھر لوٹا گیا"۔

ڈین پول جیسا عیسائی مؤرخ کس حیرت سے لکھتاہے:

کہ "نہ کوئی گھر لوٹا گیا"، کیونکہ فتح مکہ کے موقع پر لوٹ مار اور کوشت وخون ایک معمولی بات ہے، جو عام طور پر فوجیوں کی ہاتھوں ہوہی جاتی ہے۔[36]

ذرا سوچیں! آج اگر مکہ کے فاتح محمد عربی ﷺ نہ ہوتا تو دس ہزارقدسی مکہ کی اینٹ سے اینٹ بجارہتے۔ ایک ایک کافر کے سوسوٹکڑے کرتے، مگراس عظیم فاتح عرب ﷺ نے ایسانہیں ہونے دیابلکہ اس دانائی اور حکمت سے مکہ فتح کیاکہ آج دنیا کے بڑے بڑے فاتح اس پر رشک کررہے ہیں۔

ذات عرب ﷺ کی رحمت ورافت کے آٹھ دروازے:

- جو شخص ہتھیار پھینک دے اسے قتل نہ کیاجائے۔
- جو شخص خانہ کعبہ کے اندر پہنچ جائے اسے قتل نے کیاجائے۔
- جو شخص گھر کے اندرنہ ہواسے قتل نہ کیاجائے۔
- جو شخص ابوسفیانؓ کے گھر چلاجائے اس کو قتل نہ کیاجائے۔
- جولوگ بھاگ جائیں ان کا تعاقب نہ کیاجائے۔
- بوڑھوں، بچوں، عورتوں اور زخمیوں کو قتل نہ کیاجائے۔
- قیدیوں کو بھی قتل نہ کیاجائے۔

یہ آٹھ ہدایات نہیں بلکہ رحمت ورافت کے آٹھ وسیع اور عالی شان دروازے تھے، جن میں ہرایک خاطی اور گناہگار، ہرایک مجرم اورسیاہ کارداخل ہوسکتاتھا۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا، اور رہائی پاگئے۔

حضرت محمد ﷺ کے سامنے بحیثیت فاتح ہونے کے کل (6564) قیدی پیش ہوئے جن میں سے صرف دو کو آپؐ نے محض ان کے سابقہ جرائم کی پاداش میں قتل کیا۔ اور باقی سب کو ازراہ کرم رہاکردیا۔ اور ان قیدیوں پر کوئی پابندی اور سزا عائد نہیں کی۔ اسی طرح غزوہ بنومصطلق کے قیدی جن کی تعداد ایک سو

نوے(190) تھی مسلمانوں کے ہاتھ آئے،مگر ان تمام کو آنحضرت ﷺ نے بلا کسی فدیہ ومعاوضہ رہا کر دیا۔ان قیدیوں کا بیان تھا کہ مسلمانوں نے ہمارے ساتھ بچوں کا سا سلوک کیا،یعنی ہمارے آرام کا خیال رکھا۔

غزوہ حنین کے قیدی سب سے زیادہ اور بڑی تعداد میں مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔یعنی چھ ہزار مردوزن اسیر ہوئے تھے۔جنگ ختم ہونے کے بعد حضور ﷺ میدان جنگ کے قریب ہی قیام فرمائے اور مال غنیمت کو تقسیم نہیں فرمایا تھا کہ قبیلہ ہوازن ،جس نے حملہ کیا تھا اس کے چھ سردار حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور رحم کی درخواست کی۔[37]

حاتم طائی کی بیٹی سے سلوک:

ایک جنگ میں حاتم طائی کی لڑکی گرفتار ہو کر آئی تو آپؐ نے اسے کمال عزت واحترام سے رکھا اور فرمایا کہ کوئی تمہارے شہر کے آجائے تو تمہیں اس کے ساتھ رخصت کردوں گا۔چنانچہ آپؐ نے اس کو اور اس کے تمام خاندان کو قیدیوں کو رہا کر دیا۔

چنانچہ غیر مسلم بھی آپؐ کی تعریف میں رطب اللسان ہیں،اور اس بات میں مبالغہ نہیں کہ آپؐ جس کامیاب اور ہمہ صفت موصوف فاتح آج تک ہوا ہے نہ قیامت تک ہوگا۔

نسل پرستی کا خاتمہ اور اس کی اصلاح:

نسل پرستی ہمارے دور)معاشرے(کے مشکل ترین مسائل میں سے ایک ہے۔آپؐ کی بعثت سے پہلے مکہ میں نسل پرستی بھی رائج تھی،قریش اپنے آپ کو)خصوصاً(اور عربوں کو)عموماً(تمام دوسرے لوگوں سے برتر خیال کرتے تھے۔رسول اللہ ﷺ خدائی پیغام کے ساتھ تشریف لائے اور آپؐ نے اعلان فرمایا کہ:

"کوئی عرب کسی غیر عرب سے برتر نہیں،اور کوئی سفید فام کو کسی سیاہ فام شخص پر برتر نہیں"۔

رسول اکرم ﷺ نے رنگ پر مبنی نسل پرستی اور امتیاز کا اتنی کامیابی سے قلع قمع کیا کہ مثال کے طور پر ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے حضرت بلالؓ کو،جو سیاہ فام تھے کہا:بلال ہمارے آقا ہیں جنہیں ہمارے آقا ابو بکرؓ نے آزاد کرایا۔

حضرت زید بن حارثہؓ جو ایک سیاہ فام غلام جنہیں رسول اکرم ﷺ نے آزاد کرایا،آپؐ کے متبنی بنانے کی بندش والی وحی سے قبل متبنی تھے۔رسول اکرم ﷺ نے ان کی حضرت زینب بنت جحشؓ سے،جو شریف ترین)غیر سیاہ فام (اور مسلمان خاتون تھیں شادی کرائی۔ اس کے علاوہ آپؐ نے حضرت زیدؓ کو بازنطینی سلطنت کے خلاف مسلمان فوج کے سپہ سالار بنایا۔اگر چہ اس وقت میں حضرت ابو بکرؓ،حضرت عمرؓ،جعفر ابن ابی طالبؓ،اور حضرت خالد بن ولیدؓ اپنے زمانے کی ناقابل تسخیر جرنیل جیسے جلیل القدر صحابہ شامل تھے۔[38]

آپؐ نے حضرت زیدؓ کے بیٹے اسامہ کو اس فوج کا سپہ سالار مقرر کیا،جسے آپؐ نے اپنی وفات سے قبل تشکیل دیا۔اسمیں حضرت ابو بکرؓ،حضرت عمرؓ،خالدؓ،ابوعبیدہؓ،طلحہؓ اور زبیرؓ جیسے کبار صحابہ شامل تھے۔اس امر نے مسلمانوں کے دلوں اور ذہنوں میں یہ بات ذہن نشین کردی کہ برتری پیدائش،رنگ یا خون کی بناء پر نہیں،بلکہ تقوی اور اور اللہ تعالی سے لگن کی بنیاد پر ہے

اپنی خلافت کے دوران حضرت عمرؓ نے حضرت اسامہؓ کو خود اپنے بیٹے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے زیادہ وظیفہ دیا۔جب بیٹے نے وجہ پوچھی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا":میں ایسا اس لیے کرتاہوں کہ میں جانتاہوں کہ رسول اکرم ﷺ اس کے باپ کو مجھ سے زیادہ محبت کرتے تھےاور یہ کہ آپؐ اسامہ کو تم سے زیادہ محبت کرتے تھے"۔[39]

لڑکیوں اور عورتوں پر ظلم اور اس کی اصلاح:

عرب میں رواج تھا کہ جب کسی گھرمیں لڑکی پیداہوتی تو اسے نہایت سنگدلانہ طریق پر زندہ در گو رکردیتے،یہ معاشرہ کی بہت بڑی برائی سمجھی جاتی،اور بے حس افراد ایسے درگورکرنے میں عار نہ سمجھتے۔

حضور پاک ﷺ نے آتے ہی اس رسم کو بھی جڑ سے اکھیڑ دیا۔اور لڑکیوں کی تربیت اور پرورش کے متعلق وہ احکام نافذفرمائے کہ وہی عرب نہ صرف لڑکیوں کو زندہ رکھنے پر مجبورہوئے بلکہ ان کی تربیت اور نکاح کو ثواب سمجھنے لگےاور ان کی کفالت کرنے لگے۔حضورپاک ﷺ نے اپنے طرزعمل اور اپنی تعلیمات سے نہ صرف اس کی حفاظت کی بلکہ اس کا مرتبہ بھی بلندکیا۔

اسی طرح آپؐ نے بچیوں سے شفقت کے سلسلے میں فرمایا:

"مَنْ عالَ جارِيتَين حتّٰى تَبْلُغَا، جاءَ يومَ القِيامَةِ أَنَا وَهُوَ هَكَذا وَضَمَّ أَصابِعَهُ[40]"

"جس نے دو لڑکیوں کی پرورش کی حتی کہ وہ بالغ ہوگئیں وہ اور میں قیامت کے روز اس طرح آئیں گے اور آپؐ نے اپنی انگلیوں کو ملایا"۔

عورتوں پر معاشی ومعاشرتی ناانصافیوں کی روک تھا م کی۔آپؐ کو کسی جنگ میں مقتولہ عورت کی خبر ملی تو سخت ناپسندیدگی کا اظہارفرمایا۔

آپؐ نے سپہ سالار خالدبن ولیدؓ کو کہلابھیجا:

"لاتقْتلنَّ إمرأةً وَّلاعسيفاً[41]"

"عورت اور اجیر کو ہرگز قتل نہ کرو"۔

عورت کو قدرت نے نازک طبعی سے نوازا ہے اس لیے اس کے ساتھ شفقت ومحبت کا برتاؤفطری امرہے۔رسول اللہ ﷺ نے اس کا ہمیشہ خیال رکھا۔اس نازک طبعی کو آپؐ نے آبگینے سے تشبیہ دی ،ایک سفر کے دوران جب انجشہ نے حدی خوانی کی اور اونٹ تیز چلنے لگے توآپؐ نے فرمایا:

"رُوَيدَكَ باأَنجشَةَ لاتُكْسرالْقَوارير[42]"

"انجشہ!دیکھنا آبگینے ٹوٹنے نہ پائیں"

آپؐ کی شفقت کا نتیجہ تھا کہ عورتیں آپؐ سے بلاتکلف سوال کرتیں اور بلاخوف وخطرآپؐ سے مسائل دریافت کرتیں۔

خَوْلہ بنت ثعلبہؓ اپنے شوہراَوس بن صامت الانصاریؓ کے ظہار کے سلسلے میں حضور ﷺ سے جس طرح بحث کررہی تھیں اس کا ذکر قرآن نے بھی کیاہے۔اسی بحث تمحیص کی وجہ سے اس سورۃ کانام ہی المجادلۃ ہوگیا۔

اسی طرح خلع کے سلسلے میں ثابت بن قیسؓ کی بیوی جمیلہ بنت سلولؓ نے جس بے تکلفی سے آپؐ کے ساتھ بات کی اور آپؐنے جو رویہ اختیار فرمایا وہ خصوصی لحاظ کا بیّنُ ثبوت ہے۔حبیبہ بنت سلؓ اور رفاعہ القرظیؓ کی بیوی کے بے تکلف اظہارات آپؐ کی شفقت ومحبت کا ثبوت دیتے ہیں۔

اسی طرح واقعہ افک نے پورے معاشرے کو اپنی گرفت میں لے لیا۔انتہا تویہ ہے کہ ایک دو بڑے صحابہ بھی اس سے متاثر ہوئے۔واقعہ افک کے واقعاتی پہلو سے ہم صرف نظرکرتے ہیں،کیونکہ جب قرآن عظیم نے اسے بہتان عظیم قرار دے دیا تو بات ہمیشہ کے لیے طے ہوگئی۔

وَلَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُم مَّا يَكُونُ لَنَا أَن نَّتَكَلَّمَ بِهَٰذَا سُبْحَانَكَ هَٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ۔[43]

"تم نے اسے سنتے ہی کیوں نہ کہہ دیا کہ الٰہی بات کہناہمیں زیب نہیں دیتا،سبحان اللہ یہ تو بہتان عظیم ہے"۔

کبریائی اللہ تعالی کے لیے ہے اور مؤمن معاشرے کو اسی پاکی اور پاکیزگی کا عکس ہوناچاہئے۔واقعہ افک کی وجہ سے پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے کے جرم کو حدوداللہ کی خلاف ورزی قراردیاگیا اور اس جرم پر حدجاری کی گئی۔

اسلام میں ہر قانون وضابطے کی اخلاقی بنیاد ہوتی ہےجن جرائم پرسزاہوتی ہے وہاں قرآن میں بیشتر مقامات پر کہ"تاکہ تمہیں فلاح ہو"۔

توہمات ورسومات کی اصلاح:

قبل ازاسلام عرب معاشرہ میں توہمات اور غلط رسومات کا رواج عام تھا۔وہ لوگ بدعقیدہ،مشرک اور توہم پرست تھے۔بدشگونیاں،اور فالیں نکالتے تھے۔اسی طرح دنوں کو خاص اہمیت تھی کہ فلاں دن ایساہے اور فلاں دن برا اور منحوس ہے۔اس میں نہ سفرکرتے نہ کاروبار۔علاوہ ازیں تیروں سے قسمت معلوم کرتے تھے،نجومیوں سے ربط رکھتے تھے،کہانت کے قائل تھے۔اسی طرح ان میں مختلف رسومات تھیں جنہیں وہ بڑی عقیدت سے ادا کرتے تھے۔

آنحضرت ﷺ نے ان اور ان جیسے دیگر تمام توہمات کو بیہودہ قراردیا اور انہیں بداعتقادی وشرک پر محمول فرمایا۔آپؐ نے ان رسومات کی بڑی جرأت اور قوت سے بیخ کنی فرمائی۔

انسانیت پر ظلم کی اصلاح وتربیت:

اللہ تعالی نے انسان کو اشرف المخلوقات کی خلقت فاخرہ پر سرفراز کیا۔تمام مخلوقات پر عزت وکرامت بخشی،مگر اس شرف انسانیت سے قریش مکہ آگاہ نہ تھے۔وہ پتھر بت کے آگے دست بستہ کھڑے ہوتے،سجدہ ریز ہوتے،نذرونیاز دیتے،چڑھاوے چڑھتے،اور یہ عقیدت رکھتے کہ ان ہی دیوتاؤں کی وجہ سے ہماری مشکلیں حل ہوجاتیں۔

آنحضرت ﷺ نے انسانیت کے اس باطل نظریئے کی تردیدفرمائی اور توحید کا اعلی اعلان فرماکر برملافرمایا:

"یاأیھاالنَّاسُ قُوْلُوْا لَااِلٰہَ اِلَّااللہُ تُفْلِحُوْا[44]"

"اے لوگوں!اس بات کا اقرار کرواللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں،تم کامیاب ہوجاؤگے"۔

آنحضرت ﷺ نے تمام شرف انسانیت کا تحفظ فرماکرصرف ایک اللہ کے آگے جھکایا اور نکتہ توحید سمجھایا۔

عقائد اور اعمال کی اصلاح وتربیت:

آنحضرت ﷺ نے مکی زندگی کی تیرہ برس اصلاحِ عقائد میں صرف کردیئے اور راستے میں بے شمار تکالیف اور مصائب برداشت کئے۔تمام عقائد کی جڑ عقیدہ توحید ورسالت ہے،آپؐ نے مشرکین کو جو سب سے پہلے دعوت دی وہ عقائد)عقیدہ توحیدکی تھی(جس کی اصلاح سب سے ضروری تھی،اور جو مشرف باسلام ہوتے تو آپؐ ان پر بھی خاص نظر رکھتے ان کی خاص تربیت کرتے کہ کہیں یہ قرآن وسنت کے اضافی تو کوئی کام نہیں کرتے یاان کی نزاکتوں سے بے خبر تونہیں۔

ایک مرتبہ آپؐ کے پاس چندبچیاں آپؐ کی مدح میں گاکر اشعار پڑھ رہی تھیں اور اسی دوران یہ بھی کہہ دیا:

"وفینانبی یعلمُ مافی غَدٍ"

"اور ہم میں سے ایک نبی ہے جو آنے والے احوال سے باخبرہے"۔

یہ سنتے ہی آپؐ نے بلاتوقف روک دیااور فرمایا:

"دَعِی ھٰذِہِ وَقُوْلِی بِالَّتِی کُنْتِ تَقُولِینَ[45]"

"یہ مت کہو،اور وہی کہو جو تم کہہ رہی تھیں"۔

چونکہ اس جملے میں شرک کا مشابہ تھا اور اگر بروقت اصلاح نہ کی جاتی تو آگے چل کر کئی خطرناک خطرات کا پیش خیمہ بن سکتاتھا۔لہذا آپؐ نےوقت کی نازک کے تحت موقع ہی پر اصلاح فرمائی۔اسی طرح آپؐ نے لوگوں کے اعمال پر بھی وقتاًفوقتاً اصلاح فرمائی۔

ایک مرتبہ گداگرآیا اور آپؐ سےخیرات مانگنے لگا،آپؐ نے دیکھا کہ وہ تنومندہے تو آپؐ نے فرمایا":تمہارے گھر میں کوئی اثاثہ ہے؟"اس نے کہا":حضور!ﷺ کچھ نہیں،صرف ایک کمبل اور لکڑی کا ایک پیالہ ہے"۔آپؐ نے فرمایا":وہ لے آؤ"۔وہ لے آیا،آپؐ نے انہیں دو درہم میں فروخت کردیا۔فرمایا":ایک

درہم کے راشن خرید کے گھر پہنچاؤ،اور دوسرے کا کلہاڑا خرید کے لے آؤ"۔اس نے اس طرح کیااور کلہاڑا خریدکے لے آیا۔آپؐ نے اس کا دستہ پاس ٹھونک دیا اور فرمایا":اسے جنگل میں لے جاؤ اور لکڑیاں کاٹ کر فروخت کرو۔اس طرح اپنی گزربسر کرو"۔چنانچہ چندہی روز میں وہ شخص معاشی طور پر مستحکم ہوگیا۔[46]

---

[1] Muḥammad b. Mukarram b. ʿAlī al-Ifrīqī al-Miṣrī (Ibn Manẓūr), Lisān al-ʿArab (Bayrūt: Dār Ṣādir), vol. 10, 86.
[2] Abū Ḥāmid Muḥammad b. Muḥammad b. Muḥammad al-Ghazālī al-Ṭūsī, Iḥyāʾ ʿUlūm al-Dīn (Bayrūt: Dār al-Maʿrifah), vol. 3, 53.
[3] Abū Ḥāmid Muḥammad b. Muḥammad b. Muḥammad al-Ghazālī al-Ṭūsī, Iḥyāʾ ʿUlūm al-Dīn (Bayrūt: Dār al-Maʿrifah), vol. 3, 53.
[4] Abū Ḥāmid Muḥammad b. Muḥammad b. Muḥammad al-Ghazālī al-Ṭūsī, Iḥyāʾ ʿUlūm al-Dīn (Bayrūt: Dār al-Maʿrifah), vol. 3, 84.
[5] - Abū al-Ḥusayn Muslim b. al-Ḥajjāj b. Muslim al-Qushayrī al-Naysābūrī, al-Jāmiʿ al-Ṣaḥīḥ (Bayrūt: Dār Iḥyāʾ al-Turāth al-ʿArabī), vol. 4, 2031.
[6] al-Qurʾān, al-Qalam 68:4.
[7] Sulaymān b. al-Ashʿath b. Isḥāq al-Sijistānī (Abū Dāwūd), Sunan Abī Dāwūd (Bayrūt: al-Maktabah al-ʿAṣriyyah), vol. 2, 40.
[8] Quṭb al-Dīn Aḥmad b. ʿAbd al-Raḥīm al-Dihlawī (Shāh Walī Allāh), Ḥujjat Allāh al-Bālighah (n.p.), vol. 2, 560.
[9] Abū al-Qāsim al-Ḥusayn b. Muḥammad al-Rāghib al-Iṣfahānī, al-Mufradāt fī Gharīb al-Qurʾān (Bayrūt: Dār al-Qalam), vol. 1, 336.
[10] Abū Bakr Aḥmad b. al-Ḥusayn b. ʿAlī al-Bayhaqī, al-Asmāʾ wa-l-Ṣifāt (Jeddah: Maktabat al-Sawādī), vol. 1, 184.
[11] al-Qurʾān, Yūsuf 12:50.
[12] Sulaymān b. al-Ashʿath b. Isḥāq al-Sijistānī (Abū Dāwūd), Sunan Abī Dāwūd (Ṣaydā–Bayrūt: al-Maktabah al-ʿAṣriyyah), vol. 3, 23.
[13] al-Baghawī, Ḥusayn b. Masʿūd, Maʿālim al-Tanzīl fī Tafsīr al-Qurʾān (Bayrūt: Dār Iḥyāʾ al-Turāth al-ʿArabī), vol. 1, 463.
[14] al-Qurʾān, al-Aʿlā 87:14–19.
[15] ا al-Qurʾān, al-Jumuʿah 62:2.
[16] Abū Bakr Aḥmad b. al-Ḥusayn b. ʿAlī al-Bayhaqī, Shuʿab al-Īmān (n.p.), vol. 10, 352.
[17] al-Qurʾān, al-ʿAnkabūt 29:45.
[18] Sulaymān b. al-Ashʿath b. Isḥāq al-Sijistānī (Abū Dāwūd), Sunan Abī Dāwūd (Bayrūt: al-Maktabah al-ʿAṣriyyah), vol. 2, 40.
[19] al-Qurʾān, al-Aḥzāb 33:21.
[20] Sulaymān b. al-Ashʿath b. Isḥāq al-Sijistānī (Abū Dāwūd), Sunan Abī Dāwūd (Delhi), vol. 4, 263.
[21] ʿAbd al-Malik b. Hishām al-Ḥimyarī, al-Sīrah al-Nabawiyyah (Cairo), vol. 1, 792.
[22] al-Qurʾān, al-Ḥujurāt 49:13
[23] Abū al-Aʿlā Mawdūdī, Tafhīm al-Qurʾān (Lahore: Idārah Tarjumān al-Qurʾān), vol. 5, 96.
[24] al-Qurʾān, Āl ʿImrān 3:159.
[25] al-Qurʾān, al-Tawbah 9:128.
[26] al-Qurʾān, al-Aḥzāb.
[27] al-Qurʾān, al-Kahf 18:6.
[28] al-Qurʾān, Fuṣṣilat 41:34.
[29] al-Qurʾān, al-Aḥzāb 33:21.
[30] al-Qurʾān, Āl ʿImrān 3:164.
[31] Sulaymān b. al-Ashʿath b. Isḥāq al-Sijistānī (Abū Dāwūd), Sunan Abī Dāwūd, Kitāb al-Sunnah, Ḥadīth no. 4682.
[32] al-Qurʾān, al-Baqarah 2:151.
[33] Muḥammad b. Yazīd Ibn Mājah, Sunan Ibn Mājah, 228.

[34] Sulaymān b. al-Ashʿath b. Isḥāq al-Sijistānī (Abū Dāwūd), Sunan Abī Dāwūd, vol. 5, 363.
[35] Muḥammad b. ʿĪsā al-Tirmidhī, Sunan al-Tirmidhī, 334.
[36] ʿAbd al-Majīd Sayyid Bārūdī, Darmiyān Kal Ṣallā Allāhu ʿAlayhi wa-Sallam (Lahore: Dār al-Salām Muslim Publishers), 130.
[37] ʿAbd al-Malik b. Hishām al-Ḥimyarī, al-Sīrah al-Nabawiyyah, vol. 3, 357–358.
[38] Abū al-Ḥusayn Muslim b. al-Ḥajjāj al-Qushayrī al-Naysābūrī, al-Jāmiʿ al-Ṣaḥīḥ, 2426.
[39] Muḥammad b. Saʿd al-Baghdādī, al-Ṭabaqāt al-Kubrā (Bayrūt: Dār al-Kutub al-ʿIlmiyyah), vol. 4, 70.
[40] Abū al-Ḥusayn Muslim b. al-Ḥajjāj al-Qushayrī al-Naysābūrī, al-Jāmiʿ al-Ṣaḥīḥ, 2631.
[41] Abū ʿAbd Allāh Muḥammad b. Ismāʿīl al-Bukhārī, al-Jāmiʿ al-Ṣaḥīḥ, 3015.
[42] Abū ʿAbd Allāh Muḥammad b. Ismāʿīl al-Bukhārī, al-Jāmiʿ al-Ṣaḥīḥ, 6210.
[43] al-Qurʾān, al-Nūr 24:16.
[44] Abū ʿAbd Allāh Aḥmad b. Muḥammad b. Ḥanbal al-Shaybānī, Musnad al-Imām Aḥmad, vol. 3, 392.
[45] Abū ʿAbd Allāh Muḥammad b. Ismāʿīl al-Bukhārī, al-Jāmiʿ al-Ṣaḥīḥ, 5147.
[46] Sulaymān b. al-Ashʿath b. Isḥāq al-Sijistānī (Abū Dāwūd), Sunan Abī Dāwūd, Kitāb al-Zakāh, 1641.